بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دورہ امریکہ

مقاصد' افادیت اور خدشات

قاضی حسین احمد

اس وقت مغربی ممالک خصوصاً شمالی امریکہ (ریاست ہاے متحدہ اور کینیڈا) برطانیہ' جرمنی اور فرانس میں الحمدللہ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اکٹھی ہو گئی ہے۔ امریکہ اور مغربی یورپ کے ممالک میں مقامی باشندے بھی اسلام قبول کر رہے ہیں۔ یہ لوگ منظم بھی ہو رہے ہیں۔ انھوں نے یورپ اور امریکہ کے کونے کونے میں مساجد اور اسلامی مراکز قائم کر رکھے ہیں اور اس وجہ سے عرب و عجم کی تمام دینی جماعتوں کے ان تنظیموں سے رابطے موجود ہیں اور ان جماعتوں کے زعما وقتاً فوقتاً ان ممالک کے دورے بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت ریاست ہاے متحدہ امریکہ میں کم و بیش ایک کروڑ کی تعداد میں مسلمان موجود ہیں۔ یہ تعداد امریکہ کی کل آبادی کا دو سے لے کر تین فی صد ہے۔ اس طرح عیسائیت کے بعد اسلام امریکہ کا سب سے بڑا مذہب بن چکا ہے۔ جرمنی اور برطانیہ میں ۵ فی صد اور فرانس میں کل آبادی کے تقریباً ۱۰ فی صد مسلمان ہیں۔

اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود' موثر قیادت کی عدم موجودگی اور منصوبہ بندی کے فقدان کی وجہ سے وہاں کے ماحول اور معاشرے پر اسلام اور مسلمانوں کے کماحقہ اثرات مرتب نہیں ہو سکے ہیں۔ تاہم مادی طاقت کے لحاظ سے دنیا کے اہم ترین ممالک کے شہری ہونے کی حیثیت سے' مغربی ممالک کی اس مسلم اقلیت کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اس مسلمان اقلیت کے ساتھ رابطہ رکھنا' انھیں دین کے بنیادی تقاضوں کی طرف متوجّہ کرنا اور اسلام کے سفرا کی حیثیت سے مغربی معاشرے میں انھیں اپنے فرائض سے

آگاہ کرنا' ایک اہم دینی فریضہ ہے۔ ان ممالک کے سمجھ دار اور ممتاز مسلمان شہری اس ضرورت سے پوری طرح آگاہ ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ عالم اسلام کے ممتاز رہنما ان ممالک کے دورے کریں اور ان کی کشش سے وہ مقامی مسلمانوں کو مدعو کریں اور انھیں ان ممالک کے اندر سیاسی' معاشی اور معاشرتی اثرو رسوخ پیدا کرنے کی ضرورت کا احساس دلائیں۔ اب خود مغربی دانش ور اور مغرب کی حکومتیں یہ محسوس کرنے لگی ہیں کہ "اسلام اور مغرب" (Islam and the West) کے موضوع کے ساتھ ساتھ اس وقت "مغربی ممالک میں اسلام" (Islam in the West) ایک اہم ترین موضوع بن گیا ہے۔ مغربی معاشرے کو یہ یقین دلانا کہ اسلام انسانیت کی بھلائی اور خیروفلاح کا دین ہے' امت مسلمہ کا مقصد انسانیت کی خدمت ہے' یہ دین قوم پرستی کا نہیں خدا پرستی کا دین ہے اور کسی خاص رنگ و نسل اور علاقے کے بجائے انسانیت کی بھلائی چاہتا ہے اور خود مغربی معاشرے کے لیے اس کے پاس خیروبرکت کا پیغام ہے' وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

اسلام دشمن طاقتوں خاص طور پر صیہونی لابی کی طرف سے یہ کوشش ہو رہی ہے کہ اسلام کو دہشت گردی' خون خرابے' تخریب کاری' تشدد' انتہاپسندی اور قتل و غارت گری کا مذہب قرار دے کر اس رجوع عام کا راستہ روکا جا سکے جو اسلام کے طبعی حسن اور اس کے دین فطرت ہونے کے حوالے سے اس وقت مغربی معاشرے میں پایا جاتا ہے۔ کچھ دانش وروں نے تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ (clash of civilization) وسیع پیمانے پر مشتہر کر دیا جس کے ذریعے سے اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں تصادم کو ناگزیر قرار دے دیا گیا اور اس طرح اسلام اور اسلامی تہذیب کو دشمن ٹھیرا کر عام لوگوں کے ذہن کے دریچوں پر تعصبات اور شکوک و شبہات کے پردے ڈال دیے گئے تاکہ اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کے راستے مسدود ہو جائیں۔ مخالفین کی اڑائی ہوئی اس گردوغبار کو دور کرنے اور شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے اور اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے تصادم کے نظریے کے بجائے گفت و شنید اور افہام و تفہیم کا طریقہ اختیار کرنے کے لیے مغربی پالیسی اداروں اور ان کے دانش وروں تک اپنا موقف پہنچانے کی بھرپور کوششوں کی ضرورت ہے۔

بعض معترضین کو امریکی حکومت کی پالیسیوں سے شدید اختلاف رکھنے کی بنا پر میرے دورۂ امریکہ پر حیرت ہوئی ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے پالیسی میں تبدیلی کی علامت ٹھیرایا ہے اور کچھ لوگوں نے اسے جماعت اسلامی کی قیادت پر اعتراضات کا سنہری موقع سمجھ کر بے جا الزام تراشی شروع کر دی ہے۔ لیکن یہ بات اہل علم و دانش سے پوشیدہ نہیں ہے کہ باہم اختلافات رکھنے والے گروہوں کی قیادتوں میں رابطہ اور مذاکرات اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ عین میدان جنگ کے اندر بھی لڑنے والے گروہوں کے درمیان رابطہ موجود رہتا ہے اور رابطہ بھی کش مکش کے میدان ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

میرا دورۂ امریکہ بھی بنیادی طور پر اسی نوعیت کا دورہ تھا۔ میں پچھلے سال بھی حلقہ اسلامی شمالی امریکہ کی دعوت پر امریکہ گیا تھا اور ان کے سالانہ کنونشن میں شرکت کے علاوہ مختلف شہروں میں ان کے زیراہتمام مساجد اور اسلامی مراکز میں اجتماعات میں شرکت کی تھی۔ اس سال بھی ان کے کنونشن میں شرکت کے بعد' میں نے مسلمانوں کے مختلف اجتماعات میں شرکت کے لیے امریکہ اور کینیڈا کا دورہ کیا۔

اس دفعہ اس دورے کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ پاکستان میں امریکہ اور کینیڈا کے سفارت خانوں کے ساتھ یہ طے ہوا کہ میں ان ممالک میں دانش وروں اور وزارت خارجہ کے ذمہ داران سے بھی ملاقات کروں۔ ان ملاقاتوں کا اہتمام اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ لوگ اسلامی تحریکوں کے موقف کو اس کی قیادت کے ایک اہم آدمی سے براہ راست سننا چاہتے تھے اور میں انھیں اسلام اور مسلمانوں کا عادلانہ موقف سنانا چاہتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مجھے موقع ملا کہ میں مسلمانوں کے اہم مسائل پر مضبوط دلائل کے ساتھ اسلامی تحریکوں کا عادلانہ موقف امریکی پالیسی ساز اداروں کے اہم افراد کے سامنے بیان کروں۔ ان مجالس میں اہم پاکستانی شخصیتیں بھی شریک تھیں۔ میرا ایک ایک لفظ اسلام اور اسلامی تحریکوں کے عادلانہ موقف کے دفاع میں تھا اور میں کسی موقع پر بھی اپنے اس موقف سے' جو میں پاکستان میں بیان کرتا رہتا ہوں' پیچھے نہیں ہٹا۔ مجھے ان مجالس میں یہ اطمینان بھی حاصل ہوا کہ جب کوئی صاحب ایمان اللہ کے بھروسے پر اعتماد کے ساتھ حق کا اظہار کرتا ہے تو مدمقابل' چاہے وہ اپنی اغراض کی وجہ سے اپنی پالیسی تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہو' خاموش ضرور ہو جاتا ہے۔

میں نے کشمیر' فلسطین' ایٹمی پروگرام' پاکستان اور بھارت کے تعلقات' دہشت گردی' افغانستان اور پاکستان پر امریکی پابندیوں کے بارے میں مختلف مجالس میں اظہار خیال کیا ہے اور وہی بات کی ہے جو ہر اہل حق کو کہنی چاہیے۔

میں نے ہر موقع پر کشمیر کے بارے میں پاکستان کے اس اصولی قومی موقف کا کھل کر اظہار کیا کہ کشمیر' تقسیم ہند کے ایجنڈے کا باقی ماندہ حصہ ہے۔ برطانوی حکومت' انڈین نیشنل کانگریس (جو ہندو اکثریت کی نمایندہ تھی) اور آل انڈیا مسلم لیگ (جو ہندستان کی مسلم اقلیت کی نمایندہ تھی) تینوں کے درمیان یہ اصول طے پایا کہ برعظیم کے مسلم اکثریت کے وہ حصے جو آپس میں ملتے ہیں' پاکستان کو ملیں گے اور ہندو اکثریت کے علاقے بھارت کو ملیں گے۔ ریاست جموں و کشمیر ۹۰ فی صد مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ اس کی ساری وادیاں پاکستان کی طرف کھلتی ہیں۔ یہ طبعی' جغرافیائی' تاریخی' مذہبی اور ثقافتی لحاظ سے پاکستان کا حصہ ہے' لیکن بھارت نے قوت کے مسلسل استعمال اور فراڈ کے ذریعے اس پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ یوں کشمیر

کے لوگ اس آزادی سے اب تک محروم ہیں جو اگست ۱۹۴۷ء میں پورے برعظیم کو مل گئی تھی۔ بارہا وعدوں کے باوجود بھارت اب تک اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد میں ناکام رہا ہے۔ اور اس نے مسلسل یہی رٹ لگا رکھی ہے کہ کشمیر اس کا اٹوٹ انگ ہے۔ حالانکہ خود بھارت اس مسئلے کو اقوام متحدہ میں لے گیا تھا اور اس نے اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب تک بھارت اپنی اس لایعنی رٹ کو نہیں چھوڑے گا اور کھل کر اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرے گا کہ کشمیر اس کا اٹوٹ انگ نہیں بلکہ متنازعہ علاقہ ہے اس وقت تک کسی بھی فارمولے پر بات کرنا بے نتیجہ ہے۔

میری موجودگی میں کسی بھی میٹنگ میں کوئی اور تجویز اس لیے سامنے نہیں آسکی کہ میرا یہ موقف بالکل واضح تھا کہ جب تک بھارت کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا' کسی بھی اور تجویز پر کوئی بامعنی بات کرنا ممکن نہیں ہے۔ ۲۴ جولائی کو جب میں اپنا دورہ مکمل کر کے وطن واپسی کی تیاری کر رہا تھا' مجھے بی بی سی والوں نے فون پر بتایا کہ عبدالمجید ڈار صاحب نے سری نگر میں یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کیا ہے' میں اس پر اپنا ردعمل دوں۔ میرے لیے یہ اطلاع ناقابل یقین تھی' اس لیے میں نے فوری تبصرے سے گریز کیا لیکن مرکز جماعت سے فون کے ذریعے جب جنگ بندی کے اعلان کی تصدیق ہوئی تو میں نے نیویارک ہی میں اس سے مکمل برات کا اعلان کیا اور اسے ایک ناپختہ ذہن کی کارروائی قرار دیا۔

جماعت کے بعض ناقدین نے اس اعلان کو میرے دورہ واشنگٹن کے ساتھ جوڑنے کی افسوس ناک کوشش کی لیکن الحمدللہ جماعت کے واضح موقف کی وجہ سے انھیں جماعت کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے میں کامیابی نہ ہو سکی اور اس سلسلے میں پیدا کیا جانے والا سارا ابہام اب تک دور ہو چکا ہے۔ حزب المجاہدین پوری یکسوئی کے ساتھ دوبارہ جماعت اسلامی کے موقف کی تائید کر رہی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے بھارت کو ہٹ دھرمی سے باز آنے اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق مسئلہ کشمیر کے حل کرنے کے لیے بامقصد سہ فریقی مذاکرات (پاکستان' بھارت اور کشمیری عوام) منعقد کرنے کے موقف پر ثابت قدمی سے قائم ہے۔

فلسطین کا مسئلہ اس وقت انتہائی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ واشنگٹن میں میری موجودگی کے دوران ہی میں صدر کلنٹن اسرائیلی وزیراعظم ایہودباراک اور فلسطینی رہنما یاسر عرفات کے درمیان مذاکرات کرانے میں مشغول تھے۔ امریکہ اور کلنٹن کی پوری کوشش یہی ہے کہ یاسر عرفات پر دباؤ ڈال کر اسے اس موقف سے دستبردار کر دے جس کی تائید اقوام متحدہ کی پوری جنرل اسمبلی کر چکی ہے' یعنی ۱۹۶۷ء کی جنگ میں مقبوضہ علاقوں بشمول مشرقی یروشلم سے اسرائیل نکل جائے اور فلسطینیوں کو جو ۵۰ سال پہلے اپنے آباواجداد کے گھروں سے نکالے گئے تھے' واپس اپنے گھروں اور علاقوں میں بسنے کا حق دیا جائے۔

امریکہ کا دہرا معیار فلسطین میں کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ اپنے مقاصد اور مفادات کے حصول کے لیے تو وہ اقوام متحدہ کو ذریعہ بناتا ہے لیکن اسرائیل کے مفادات کی خاطر اور فلسطینیوں کے حقوق کا خون کرنے کے لیے اسے اقوام متحدہ کی واضح قراردادوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔ حالانکہ اقوام متحدہ نے بھی فلسطینیوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور اسرائیل کی ناجائز ریاست کی تشکیل میں اقوام متحدہ نے پورا پورا ساتھ دیا ہے لیکن خود اس ادارے نے جہاں اسرائیل کو کوئی معمولی سی تلقین بھی کی ہے، اسرائیل اسے بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہے اور امریکہ پوری عالمی رائے عامہ کے برخلاف پوری ڈھٹائی کے ساتھ اکیلا اسرائیل کے ساتھ کھڑا نظر آتا ہے۔ وہ یاسر عرفات پر مسلسل دباؤ ڈال رہا ہے کہ فلسطینی اپنے مسلمہ حقوق سے دستبردار ہو جائیں۔ ہم نے ہر فورم پر امریکہ کے اس ظالمانہ رویے کی مذمت کی ہے۔

اس وقت پاکستان پر امریکہ کی طرف سے دہشت گردی کے حوالے سے دباؤ ڈالا جا رہا ہے حالانکہ دہشت گردی کا ہدف خود پاکستان ہے۔ بھارت کے ذمہ دار افراد برملا اس کا اعتراف کرتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اگر کشمیر میں جہاد جاری رہے گا تو پاکستان میں بھی دھماکے جاری رہیں گے۔ حالانکہ کشمیر کی جدوجہد آزادی بین الاقوامی قانون کے تحت آزادی کی ایک مسلمہ جدوجہد ہے جس کی اخلاقی تائید کرنا اقوام عالم کا فرض ہے۔ جب تک اقوام متحدہ کی قراردادوں کے تحت بھارت کو کشمیریوں کے حق خود ارادیت دینے پر مجبور نہ کیا جائے، اس وقت تک کشمیریوں کے لیے مسلح جہاد ہی واحد راستہ باقی رہ گیا ہے۔ لیکن پاکستان میں دہشت گردی بلاجواز ہے۔ یہ چوری چھپے ہو رہی ہے۔ معصوم اور بے گناہ لوگ اس کا شکار ہو رہے ہیں اور اس کا کوئی قانونی اور اخلاقی جواز نہیں ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ دہشت گردی کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔ جہاد میں کسی معصوم کے خلاف کارروائی کرنے، اسے گزند پہنچانے یا اسے یرغمال بنانے کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ لیکن معصوم پاکستانیوں کے خلاف دہشت گردی کی کارروائیاں روکنے کے لیے بھارت پر دباؤ ڈالنے کے بجائے پاکستان کے خلاف اس کے ساتھ امریکہ کا گٹھ جوڑ، اور پاکستان کو خطے میں الگ تھلگ کرنے کی کوشش، یہاں تک کہ چین، وسط ایشیا اور روس کو بھی پاکستان اور افغانستان کے خلاف اکسانا ایک کھلی دھاندلی ہے۔ اس حوالے سے میں نے امریکی پالیسی ساز اداروں کے سامنے کہا کہ پاکستان امریکہ کا ایسا حلیف ہے جو امریکی عتاب کا سب سے زیادہ ہدف (most sanctioned ally) ہے۔

ان مسائل کے علاوہ میں نے اسلام اور مغربی دنیا کی تمدنی اور تہذیبی کش مکش میں اسلام کا موقف پیش کرنے کے لیے پانچ اہم موضوعات پر اظہار خیال کیا:

۱- انسان تمام معاملات میں درست رویہ اختیار کرنے کے لیے ہدایت ربانی (divine guidance) کا

محتاج ہے۔ خالق کائنات کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر خالص مادہ پرستانہ طرز فکر کے نتیجے میں انسان ہمیشہ افراط و تفریط کا شکار ہوا ہے اور ٹکنالوجی میں ترقی کے باوجود اس وقت عالم مغرب جس اضطراب اور بے چینی کا شکار ہے وہ اسی مادہ پرستانہ رویے کا نتیجہ ہے۔ مغرب میں اگرچہ چند اہل فکر و دانش اب اجتماعی اور انفرادی زندگی میں مذہبی اعتقادات کی اہمیت اور افادیت کے قائل ہو گئے ہیں لیکن عمومی سوچ اب بھی سیکولرزم پر مبنی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مغرب میں ۴۰۰ سال تک مذہبی توہم پرستی اور عقلیت کی کش مکش کے بعد عقلیت نے اوہام پرستی پر غلبہ پالیا ہے۔ ان کے خیال میں اسلامی دنیا اور مسلمان اسی کش مکش سے اب گزر رہے ہیں جس سے یہود و نصاریٰ نکل آئے ہیں اور جدید سائنسی ترقی اور ٹکنالوجی کا عروج ان کی اسی آزادی کا نتیجہ ہے جو انھوں نے مذہبی اوہام پرستی سے حاصل کر لی ہے۔ اس وقت مغربی معاشرے میں جو اخلاقی زوال آ رہا ہے اور جس طرح سے ان کی خاندانی زندگی افراتفری اور انتشار کا شکار ہے اس سے وہاں کے بعض صاحب دانش پریشان ہیں۔ بلاشبہ مغرب میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو اسلام کی آواز کو اپنے تاریخی پس منظر سے ہٹ کر دیکھنے پر آمادہ ہیں اور اسلام اور اسلامی تحریک کی خصوصیات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں' لیکن مغرب کی عمومی روش اب بھی سیکولرزم اور مادہ پرستی ہی کی ہے۔ اس وقت مغرب کو پوری قوت' لیکن حکمت اور دانائی سے' یہ بات سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ہدایت ربانی کے بغیر انسان کبھی سکون و اطمینان حاصل نہیں کر سکتا۔

۲- آزادی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن فرد کی آزادی اجتماع کے لیے سوہان روح نہیں بنی چاہیے۔ نہ ہی ایک گروہ کی آزادی دوسرے گروہ کے لیے اشتعال انگیز یا دل آزاری کا سبب بنی چاہیے۔ بنیادی حقوق کے تصور میں اعتدال ہونا چاہیے اور پوری دنیا پر مغربی اقدار اور تہذیب کی چھاپ لگانے اور دوسروں کے مذہبی اور دینی اعتقادات کے خلاف اقدامات سے مغربی دنیا کو گریز کرنا چاہیے۔

۳- مرد و زن اگرچہ حقوق میں برابر ہیں لیکن ذمہ داریوں میں اور صلاحیتوں میں برابر نہیں ہیں۔ دونوں کی صلاحیتوں اور ذمہ داریوں میں فرق ہے۔ بعض حیثیتوں سے خواتین کی ذمہ داریاں انسانیت کی خیروفلاح کے لیے زیادہ اہم ہیں لیکن بعض ذمہ داریوں کی صلاحیت صرف مردوں میں موجود ہے۔ عورت پر اس کی جسمانی اور نفسیاتی صلاحیتوں کے علی الرغم مردوں کا بوجھ ڈالنا اس کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ برابری کا حکم دے کر عورت کو فریب دیا جا رہا ہے جس سے اس کی ذمہ داریوں اور مصائب میں اضافہ ہوا ہے۔ مرد و زن کا امتیاز ختم کرنے کی اس غیر فطری کوشش کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مغربی دنیا میں خاندانی زندگی برباد ہو گئی ہے۔

۴- عالمی سطح پر وسائل کی تقسیم غیر منصفانہ ہے۔ روے زمین کے ۸۷ فی صد وسائل ۲۰ فی صد

لوگوں کے تصرف میں، جب کہ ۸۰ فی صد لوگوں کے پاس صرف ۱۴ فی صد وسائل ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ وسائل کے بہاؤ کا رخ اس وقت بھی غریب ممالک سے امیر ممالک کی طرف ہے۔ اس غیر منصفانہ تقسیم کا علاج کرنا عالمی امن کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

۵- بڑے پیمانے پر انسانی ہلاکت کے نیوکلیر، کیمیائی اور حیاتیاتی (biological) ہتھیار اصلاً غیرانسانی اور غیر اسلامی ہیں۔ اسلام کے قانون جنگ کے مطابق جنگ کے دوران بھی کسی غیر محارب (non-combatant) کو گزند پہنچانا ممنوع ہے۔ لیکن مغربی ممالک نے طرح طرح کے ہلاکت خیز ہتھیار ایجاد کر کے انسانیت کی تباہی کا سامان کر لیا ہے۔ اگر ہم ان ہتھیاروں کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے دفاع کا انتظام نہیں کریں گے تو ہمارا حشر بھی ہیروشیما اور ناگاساکی کی طرح ہوگا۔ کیونکہ بقول شاعر مشرق۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

۶- ہمارا نیوکلیر پروگرام دفاعی ہے جارحانہ نہیں ہے۔ اگر امریکہ، روس اور دوسری اقوام بشمول بھارت اور اسرائیل تمام ہلاکت خیز ہتھیار تلف کر دیں تو مسلمان ممالک اور اسلامی تحریکیں بھی ان ہتھیاروں کی تیاری پر اصرار نہیں کریں گی۔ ہمارے پاس انسانیت کی بہبود کا پیغام ہے اور ہمیں یقین ہے کہ مستقبل میں انسان اپنے مسائل کے حل کے لیے اسلام کے عالم گیر پیغام اخوت و محبت کی طرف دھیان دے گا، چاہے وہ دنیا کے کسی کونے میں رہتا ہو۔ لیکن یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ مسلمان کمزور نہیں بلکہ قوی ہو۔ بقول اقبال:

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

میں چند ایسی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے پریس کی رپورٹوں سے پیدا ہوئی ہیں:

میں نے کسی بھی جگہ طالبان کی مخالفت نہیں کی۔ البتہ یہ کہا ہے کہ ہم پاکستان میں طالبان والا نظام نہیں چاہتے۔ ہم پاکستان میں اپنے دستور پر عمل درآمد چاہتے ہیں جس میں قرارداد مقاصد اور اسلامی دفعات بھی شامل ہیں۔ ہم اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کی سفارشات اور فیصلوں کی روشنی میں غیر سودی نظام معیشت چاہتے ہیں۔ پاکستان کے ذمہ دار ترین علما کا بھی یہی موقف ہے کہ پاکستان کے حالات کے مطابق اس ملک میں اسلام کا نفاذ دستوری جدوجہد کی روشنی میں ہونا چاہیے۔ پاکستان کا دستور، اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات، وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے اور مختلف کمیٹیوں کی سفارشات اس کے لیے کافی مضبوط اور دیرپا بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

میں نے ہر جگہ کہا کہ امریکی ایڈمنسٹریشن ' امریکی حکومت اور امریکی قوم میں فرق ہے۔ اسلام انسانیت کا دین ہے۔ یہ علاقے' رنگ' نسل اور زبان کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق نہیں کرتا۔ ہم دنیا کے کسی بھی حصے کے لوگوں کے دشمن نہیں ہیں بلکہ پوری انسانیت کے خیرخواہ ہیں البتہ ہم امریکی حکومت کی بعض پالیسیوں اور رویوں کو غیرعادلانہ' خلاف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف امتیازی سلوک روا رکھنے پر مبنی سمجھتے ہیں۔ میں نے پاکستان میں بھی امریکیوں کو قتل کرنے کی بچگانہ باتوں کی مخالفت کی ہے اور شریعت اسلامی بھی جائز ویزے پر آئے ہوئے مہمان اور سفارت کار کو تحفظ دینے کی واضح ضمانت دیتی ہے۔ کسی صاحب علم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ جائز ویزے پر آئے ہوئے غیرمسلم سیاحوں کو قتل کرنے کے فتوے جاری کر دے چاہے وہ دشمن ملک سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔

مستقبل کی دنیا' معلومات کے تبادلے اور باہمی رابطوں کی دنیا ہے۔ انفارمیشن ٹکنالوجی کے انقلاب سے پوری دنیا ایک ایسی بستی بن گئی ہے جس میں تمام لوگ باہم مربوط ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے اثر پذیر ہو رہے ہیں۔ جو عقیدہ اور نظریہ برتر ہوگا' جس عقیدے کے ماننے والے مخلص اور اپنے عقائد کے مطابق سچے دل سے عمل کرنے والے ہوں گے' جو رویہ انسانوں کے لیے نفع بخش ہوگا وہی عقیدہ و نظریہ اور وہی دین باقی رہے گا اور جو رویہ انسانوں کے لیے مضر ہوگا وہ نیست و نابود ہو جائے گا۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے اور جدید دور میں یہ حقیقت اور بھی کھل کر سامنے آنے والی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مسلمان محض زبانی جمع خرچ ہی نہ کرتے رہیں بلکہ قرآنی عقائد اور تصورات کو سیرت نبویؐ کی روشنی میں صحیح طور پر سمجھنے کی سعی کریں اور ان پر عمل کر کے دنیا کے سامنے اخلاقی طور پر برتر ہونے کا ثبوت پیش کریں۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ○ (الرعد ۱۳:۱۷) اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا۔ پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آگئے اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں جنھیں زیور اور برتن وغیرہ بنانے کے لیے لوگ پگھلایا کرتے ہیں۔ اسی مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے۔ جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین پر ٹھیر جاتی ہے۔ اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے۔